عفت نورین
اسکالر، پی ایچ ڈی (اردو)، ایم وائی یونیورسٹی، جاپان روڈ، اسلام آباد۔
ڈاکٹر رابعہ مقدّس
ایڈجنک پروفیسر، شعبہ اردو، ایم وائی یونیورسٹی، جاپان روڈ، اسلام آباد۔

ادب عالیہ اور مقبولِ عام ادب کے تناظر میں
قرۃ العین حیدر اور عمیرہ احمد کے ناولوں کا تقابلی مطالعہ

Iffat Noreen
Ph.D Scholar (Urdu), MY University, Japan Road, Islamabad.
Dr. Rabia Muqaddas
Adjunct Professor, Urdu Department, MY University, Japan Road, Islamabad

A Comparative Study of the Novels of Qurra-tul-Ain Haider and Umaira Ahmed in the Context of Elite Literature and Popular Literature

This study offers a comparative analysis of Qurra-tul-Ain Haider and Umaira Ahmed, positioning them within Elite Literature and Popular Literature in Urdu fiction. Qurra-tul-Ain Haider, a leading figure of Elite Literature, is known for her profound historical consciousness, cultural complexity, philosophical depth and artistic sophistication in novels such as Aag Ka Darya, Mere Bhi Sanam Khane and Chandni Begum. In contrast, Umaira Ahmed represents Popular Literature through her emotionally intense, accessible narratives and strong moral-spiritual themes in works like Peer-e-Kamil, La Hasil and Man-o-Salwa, which resonate widely with readers. The research concludes that while Elite Literature emphasizes intellectual engagement and aesthetic innovation, Popular Literature excels in emotional accessibility and mass appeal.

Key Words: *Comparative Literature, Elite Literature, Popular Literature, Urdu Fiction, Qurrat-tul-Ain Haider, Umaira Ahmed, Literary Field.*

"ادب" عربی زبان کا لفظ ہے۔ جسے انگریزی میں لٹریچر کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع "آداب" ہے۔ بنیادی

طور پر یہ ایک ایسا فن ہے جو زندگی کو ایک مقصد عطا کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کے معنی و مفہوم میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں اور اس کے انداز و انفرادیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

"فیروز اللغات" میں ادب کے معانی یوں واضح کئے گئے ہیں:

"ہر چیز کو حد نگاہ میں رکھنا، حفظ مراتب، لحاظ، تہذیب، شائستگی، تمیز، لحاظ، علم زبان جس میں نحو، لغت، عروض، انشاء، معانی اور بیان وغیرہ داخل ہیں۔"(۱)

اس تعریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی بھی فنی تحریر یا مختلف موضوعات سے متعلق تمام تحریروں کے اجتماع کو "ادب" کہا جاتا ہے۔ پھر چاہے اس کا تعلق "ادب عالیہ سے ہو یا پھر "مقبول عام ادب" سے۔ ہر پہلو میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور ادیب معاشرے کے اہم نمائندہ کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ اور یوں ادب عالیہ اور مقبول عام ادب معاشرے کی ذہنی تسکین کا باعث بنتے ہیں۔

فاروق بخشی اپنے مقالے "ادب اور پاپولر لٹریچر تفریق اور مماثلت میں مقبول ادب اور ادب عالیہ "کا فرق یوں واضح کرتے ہیں:

"ادبِ عالیہ اور مقبولِ عام ادب کے دائرۂ کار کی حد بندی اتنی ہی گراں ہے جتنا کہ دودھ سے دودھ اور پانی سے پانی کو جدا کرنا، مگر یہ کلمہ صرف ضرب المثل کی حد تک موزوں ہے، ورنہ مائعِ شیر سے آب کب جدا ہو پاتا ہے۔ پس کوئی بھی تحریر نہ تو مکمل ادبِ عالیہ ہے اور نہ ہی صرف عوامی ادب۔ بنابریں، اُن پہلوؤں کی پرکھ کرنا نہایت کٹھن ہے جو ادبِ عالیہ اور عام فہم ادب کے مابین امتیاز قائم کر سکیں۔" (۲)

یہ اقتباس اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ایک صاحبِ ذوق قاری ادب عالیہ اور مقبولِ عام ادب میں امتیاز کرنے کی فہم رکھتا ہے

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے راشد انور کہتے ہیں کہ:

"سنجیدہ ادب کے ساتھ ہی مقبول عام ادب یعنی پاپولر لٹریچر بھی لکھا جاتا رہا اور معاشرے کے اچھے خاصے افراد اس ادب سے خاطر خواہ محظوظ ہوتے رہے ہیں۔ سنجیدہ ادب کی مانند پاپولر ادب کے ذریعے بھی ادیب ان محسوسات کو گویائی عطا کرتا

ہے اور سنجیدہ ادب کی مانند پاپولر لٹریچر کو بھی زندگی کا بہترین ترجمان کہا جا سکتا ہے۔"(۳)

ان سب حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ادب عالیہ" وہ ادب ہے جو صرف وقت تفریح نہیں بلکہ انسانی فکر، شعور اور جمالیات کو بلند کرتا ہے۔ اس میں فکری وسعت، زبان و بیان کی ندرت، تہذیبی شعور اور فنکارانہ پختگی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس میں علامت، استعارہ، تاریخی و نفسیاتی پیچیدگیوں کا استعمال عام ہوتا ہے جو کہ ہمیں قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس، "مقبول عام ادب" وسیع حلقہء قارئین میں پسند کیا جاتا ہے۔ جس کا بنیادی مقصد تفریح، جذباتی تسکین اور معاشرتی مسائل کی سادہ زبان میں عکاسی کرنا ہے۔

پاپولر ادب کی اہمیت اور افادیت اور اس کے سنجیدہ ادب کے ساتھ روابط کی عکاسی کرتے ہوئے عتیق اللہ لکھتے ہیں کہ:

> "پاپولر کو صرف یہ کہہ کر نظر انداز یا کم نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ عوامی ہے یا عوام کا ایک بڑا گروہ اسے پسند کرتا ہے۔ راشد الخیری یا حجاب امتیاز علی کو پڑھنے والے قاری کے لیے ان ادیبوں کا شمار سنگ میل کے مماثل ہے۔ قراۃ العین یا بانو قدسیہ تک پہنچنے کے لیے یہ سنگ میل بھی ضروری ہے جو قاریوں کو پڑھنے کی طرف مائل رکھتے ہیں۔ پڑھنے کے لیے جس بیٹھک کی ضرورت ہے اگر اس کی عادت ہی نہ ہو تو وہ آگے چل کر ادب کے دوسرے اہم ناموں کی طرف رجوع بھی نہیں ہو سکتے"۔(۴)

اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ادب عالیہ کے ساتھ ساتھ مقبول عام ادب اپنے قارئین کو نہ صرف محظوظ کرتا ہے بلکہ اس کی محسوسیات کو قوت گویائی بھی عطا کرتا ہے۔ یہ معاشرے کے بدلتے ہوئے رجحانات اور عوامی نفسیات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ چونکہ اس ادب کا تعلق براہِ راست عوامی پسند اور طلب سے ہوتا ہے، اس لیے اس کے موضوعات اور اسلوب میں وقت کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کسی دور میں رومانوی کہانیاں زیادہ مقبول ہوتی ہیں تو کسی زمانے میں جاسوسی یا مہماتی ادب زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ اس طرح مقبولِ عام ادب نہ صرف تفریح فراہم کرتا ہے بلکہ معاشرتی رجحانات اور اجتماعی ذہنیت کی جھلک بھی پیش کرتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ کو پرکھا جائے تو ادب عالیہ کے تحت بے شمار نثر نگار منظر عام پر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک نام قرۃ العین حیدر کا ہے۔ جنھوں نے ادب عالیہ کی مد میں ناول نگاری کا ایک بہترین نقشہ کھینچا۔ ان کی تحریروں میں تاریخی، تہذیبی ثقافتی اور انسانی شناخت جیسے پیچیدہ موضوعات پر اس طرح بحث کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے وہ سارا نقشہ حقیقت کا رنگ بکھیرنے لگتا ہے۔

قرۃ العین حیدر کے چند منتخب ناول جن میں انھوں نے ادب عالیہ کی صفات کا بخوبی احاطہ کیا ہوا ہے۔ ماضی و حال کے کے نقشے یوں کھینچے گئے ہیں کہ گویا سماج اور تہذیب کے رنگ ہر دور میں اپنا الگ ہی مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی اور ثقافتی وراثت کو ایک شناخت دی۔ ان کی تخلیقات "میرے بھی صنم خانے" سے لے کر "کار جہاں دراز" تک معاشرتی اور روائیتی رنگ ایک منظم انداز میں نظر آتا ہے۔ موضوع کا انتخاب ہو یا مختلف زاویوں سے اس کی تصویر کشی ہر لحاظ سے ان کا قلم خاص جوہر دکھاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے ناولوں میں لکھنؤ کی تصویر کشی بھی خوبصورت انداز میں کی ہے۔ جس میں ہر طبقے کو بلا کسی مذہبی، سیاسی اور سماجی تفریق کے بیان کیا ہے۔ اور ہندوستان میں مشترکہ روایات کے زیر اثر ایک اکائی کی طرح ہر ایک کی خوشی و غمی کا اہمیت بخشی جاتی تھی۔ پھر چاہے وہ مذہبی رسومات ہوں یا تہوار، سب ہی اس میں شریک ہو کر اپنی ثقافت اور تہذیبی و تمدن کو پروان چڑھاتے تھے۔ اس بات کی عکاسی خود قرۃ العین حیدر ان الفاظ میں کرتی ہیں کہ:

> "یہاں انھوں نے ہولی پر حویلی اور محلے کے بچوں کے ساتھ ہوا میں گلال اور عبیر اڑایا تھا۔ یہاں انھوں نے رام لیلا پر راون کے جلنے اور سروپ نکھا کی ناک کٹنے پر ایام طفولیت میں اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ اکٹھی خوشیاں منائی تھیں۔ یہاں انھوں نے دیوالی پر شکّر اور مٹی کے کھلونوں سے اپنے گھروندے سنوار کر حویلی میں چراغاں کیا تھا۔ یہ ان کا قصبہ تھا جہاں کسی کو پتہ نہیں تھا کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان ہے۔"(۵)

قرۃ العین کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تاریخ کے مختلف ادوار کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور خود اپنے ہم عصر حلقہء احباب کا جائزہ لیتے ہوئے تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی عناصر کی بخوبی نشاندہی کی۔ انھوں نے ان تمام تر اشتراکات و تغیرات کو اپنے ناولوں کا حصہ بنایا۔

قرۃالعین حیدر کی تحریروں میں ماضی کا جو رنگ " میرے بھی صنم خانے " میں نظر آتا ہے وہ اپنی مسافت طے کرتا ہوا دیگر ناولوں کا بھی موضوع سخن بنا۔ اس ارتقائی سفر میں انھوں نے اپنے ذہنی افکار کو ماضی کی اقدار کو منظر عام پر لایا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان اقدار میں رچ بس چکی ہیں اور معاشرتی اقدار و روایات کو ساتھ لیے ہوئے ترقی کے سفر کی طرف گامزن ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو انہی تہذیبی و ثقافتی رنگوں کی جھلک ان کے ناول " آخر شب کے ہم سفر " میں بھی واضح نظر آتی ہے۔ مرکزیت کا بدلتا رنگ اودھ و لکھنؤ سے کلکتہ اور بنگال کی طرف سفر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ سیاسی اثر و رسوخ نے عملی جامہ زیب تن کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس سے موضوعاتی وسعت میں اضافہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی یہی انفرادیت انھیں مقبول عام ادب کے ناولوں سے الگ کرتی ہے اور یہ ادب عالیہ میں اپنی جداگانہ حیثیت کی مالک نظر آتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں مشترکہ تہذیبی اور روایاتی جھلک نظر آتی ہے۔ پروفیسر محمد حسن لکھتے ہیں کہ:

> " قُرۃُ العین حیدر نے طبقۂ اُمرا کے روشن ضمیر نوابوں کو مشترک ہندستانی ثقافت ہی کا نہیں، آفاقی تمدن کے ارفع ترین اوصاف کا پاسبان گردان لیا ہے۔ اسی سبب جب جاگیرداری کا سدِباب ہوتا ہے تو گویا تمدنِ انسانی کا زوال نظر آتا ہے۔ یا جب تقسیمِ ہند عمل میں آتی ہے تو بھی قُرۃُ العین حیدر اسے محض ایک آفتِ ناگہانی کی صورت پیش کرتی ہیں۔ ان طبقات کی کوتاہی اس میں نہیں دیکھتیں جو اُنہیں بے حد عزیز ہیں۔ "(۶)

ان کا ناول " آگ کا دریا صرف ایک کہانی نہیں بلکہ اس میں برصغیر کی تہذیبی، تاریخی اور فلسفیانہ افکار کی ایک وسیع اور گہری تصویر چھپی ہوئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیبیں کبھی مرتی نہیں بلکہ ایک نئے رنگ اور ایک نئے انداز میں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ ادب عالیہ کے تناظر میں یہ فکری تربیت، تاریخی بصیرت اور انسانی وجود کی گہرائیوں کا مطالعہ ہے۔ اس میں کرداروں کے ذریعے مصنفہ نے تقسیم ہند کے درد، شناخت کے بحران اور تہذیبی تسلسل کے سوالات اٹھائے ہیں۔ اور یوں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔

قرۃالعین حیدر اس کا ذکر یوں کرتی ہیں:

> " وقت ایک بہتے ہوئے دریا کی مانند ہے جس میں تہذیبیں، نسلیں، عقیدے اور انسانی خواب مسلسل سفر کرتے رہتے ہیں۔ انسان ہر دور میں اپنی شناخت کی تلاش میں

سر گرداں دکھائی دیتا ہے۔ کبھی مذہب اس کی پناہ بنتا ہے، کبھی محبت، کبھی وطن اور کبھی اقتدار کی خواہش۔ صدیوں کے فاصلے طے کرنے کے باوجود انسانی فطرت مکمل طور پر تبدیل نہیں ہوتی۔ جنگیں ختم ہوتی ہیں مگر خوف باقی رہتا ہے، سلطنتیں مٹ جاتی ہیں مگر اقتدار کی خواہش زندہ رہتی ہے، لوگ ہجرت کرتے ہیں مگر یادوں سے نجات حاصل نہیں کر پاتے۔ یہی انسانی تہذیب کا وہ مسلسل سفر ہے جسے تاریخ اپنے صفحات میں محفوظ کرتی رہتی ہے۔"(۷)

ان کا ایک اور ناول "گردشِ رنگِ چمن" جو لکھنؤ کی تنزلی ، تہذیب، زوال اور انسانی جذبات کی پیچیدگیوں پر مبنی ہے۔ قرۃالعین حیدر نے اسے "ڈیتھ آف اے سٹی" بھی کے نام سے بھی بیان کیا ہے۔ "چمن" تہذیب کی علامت ہے اور رنگوں کی گردش وقت کے ساتھ تبدیلی کی نشاندہی کرتی ہے۔

"چاندنی بیگم" قرۃالعین حیدر کا سماجی اور نفسیاتی ناول ہے جو طبقاتی نظام، عورت کی جدوجہد، انسانی رشتوں اور معاشرتی ناانصافیوں کے مرکزی موضوعات پر مبنی ہے۔ مرکزی کردار "چاندنی بیگم" ایک طاقتور علامت ہے جو معاشرے میں عورت کے مقام، اس کی خواہشوں، دباؤ اور جدوجہد کی نمائندگی کرتی ہے۔

قرۃالعین حیدر لکھتی ہیں کہ:

"اونچے خاندانوں کی عورتیں قیمتی لباس، بڑی حویلیوں اور ظاہری آسائشوں کے باوجود اپنی زندگی کے فیصلے خود نہیں کر سکتی تھیں۔ دوسری طرف نچلے طبقے کی عورتیں معاشی مجبوریوں کے ہاتھوں اپنی خواہشات قربان کرنے پر مجبور تھیں۔ طبقاتی فرق نے دونوں کے دکھوں کی نوعیت تو بدل دی تھی مگر محرومی دونوں کے مقدر میں شامل تھی۔"(۸)

اس میں طبقاتی تضادات، جنسی عدم مساوات، معاشی استحصال اور رشتوں کی پیچیدگیاں نہایت ہی گہرائی کے ساتھ حقیقت پسندانہ اور فنکارانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ ان کی تحریریں فکری وابستگی اور گہرائی کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس لیے انھیں ادب عالیہ کی نمائندہ ادیبہ کے طور پہ جانا جاتا ہے۔

ادب عالیہ کی طرح مقبولِ عام ادب کی بھی ایک لمبی فہرست اردو ادب میں اپنا جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ بہت سے مایہ ناز نثر نگار مقبول عام ادب کی جہتوں سے جُڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن میں عمیرہ احمد کا نام کسی

تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ اپنے قارئین میں مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ بہت پسند بھی کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالی نے انھیں بے شمار تخلیقی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انھوں نے نہ صرف ناول نگاری بلکہ ڈراما نگاری میں بھی شہرت دوام حاصل کی۔: امر بیل"، "من و سلویٰ"، "میری ذات ذرّہ بے نشاں"، "حسنہ"، "حسن آرا" اور "آبِ حیات" کو کافی شہرت اور پذیرائی ملی۔ یہ نہ صرف معاشرتی مسائل کو منظر عام پر لائی ہیں بلکہ اس کا بہترین حل بھی پیش کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ انھوں نے اپنے ادبی کام کا آغاز بطور ڈائجسٹ رائٹر کیا اور بعد میں سلسلہ وار کہانیوں کو کتابی شکل دی۔ عمیرہ احمد کا اسلوب، مکالمہ جاتی اندازِ بیاں اسے لوگوں میں مقبول بناتے ہیں۔ اپنی اسی مقبولیت کے باعث مقبول عام ادب میں انفرادیت کی حامل ہیں۔ ان کے ناول قارئین میں تفریح، جذباتی تسکین، معاشرتی احساس کے جذبے سے اجاگر کرتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا ذکر مقبول عام ادب کے حوالے سے کیا جارہا ہے۔

عمیرہ احمد کا اہم شکار ان کا ناول "پیر کامل" ہے جس میں روحانیت، ہدایت اور سچ کی تلاش کی ایک ایسی داستان چھُپی ہوئی ہے، جو پڑھنے والے کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ اس کا مرکزی موضوع "ختم نبوت" ہے، جو ایمان کی طاقت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اس ناول میں عمیرہ احمد عشقِ حقیقی اور ایمان کی طاقت کو ایک ایسے انداز میں پیش کرتی ہیں کہ پڑھنے والا خود بخود جذبہء ایمانی کی طاقت سے مسرور ہونا شروع کر دیتا ہے۔ یہ صرف ایک رومانوی یا مذہبی کہانی نہیں بلکہ ایک ایسا شاہکار ہے جو قاری کو اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا ہم واقعی سچ کی تلاش میں کوشاں ہیں یا صرف و صرف دنیاوی خواہشات کے غلام بن کر رہ گئے ہیں؟ یہ ایک ایسی تخلیق ہے جو ہمارے دلوں کو سکون بخشتی ہے۔ اس میں عشق حقیقی کے تصور اور روحانی وابستگی کو نہایت ہی مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ تحریر ہمیں تاریکی سے روشنی کی طرف، گناہ سے توبہ کی طرف اور خود غرضی سے اللہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہی اس کی مقبولیت کی وجہ ہے۔

عمیرہ احمد کے ناول "امر بیل" سے پتا چلتا ہے کہ ان کے پاس کہانی کہنے کا ایک ایسا فن موجود ہے جو اسے باعثِ مقبولیت بناتا ہے۔ یہ ایک ضخیم جلد پر مبنی ناول ہے۔ وہ خود اس کا ذکر یوں کرتی ہیں:

> "بعض کہانیاں لکھتے ہوئے آپ کو ایک مشکل خلش کا احساس ہوتا رہتا ہے کیونکہ آپ جانتے ہیں یہ کہانی کہیں کوئی تبدیلی نہیں لائے گی امر بیل بھی ایک ایسی کہانی ہے جسے لکھتے ہوئے اس کیفیت سے دوچار ہوں مگر پھر بھی میں یہ داستان اس لیے لکھ رہی ہوں تاکہ آپ لوگ زیست کے ایک اور رخ کو جان سکیں، اُن نفوس کے قلوب اور

اذہان پر ایک نظر ڈال سکیں جو پاکستان کے قیام کے بعد سے اس ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں۔ اچھے طریقے سے یا برے طریقے سے۔ بہر حال وہ اس ملک کو چلا رہے ہیں اور خود وہ اپنی زندگیوں میں کسی ابنارمیلٹی کا شکار ہیں امر بیل میں آپ یہی دیکھ پائیں گے۔"(۹)

اس ناول سے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ محبت کا انجام ہمیشہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی محبت صرف یاد بن کر رہ جاتی ہے اور دل پر ایک بھاری بوجھ بن کر رہ جاتی ہے۔ یہ ایک متاثر کن کہانی ہے۔ جس میں کرداروں کی نفسیاتی گہرائی، حالات کی پیچیدگی اور کہانی کا دردناک موڑ قاری کو آخر تک باندھے رکھتا ہے۔

عمیرہ احمد کا ایک اور مقبول ناول "لاحاصل" ہے جسے ڈرامائی انداز میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ ایک طویل ناول ہے۔ اس کے بارے میں عمیرہ احمد کہتی ہیں کہ:

" لاحاصل کے بارے میں مزید کچھ نہیں کہنا مجھے جو کچھ کہنا تھا میں نے کہانی میں کہہ دیا بعض کہانیوں کو لکھ کر آپ محسوس کرتے ہیں کہ اس کہانی کو اس سے بہتر نہیں لکھا جا سکتا تھا۔ لاحاصل کے بارے میں بھی میرے یہی تاثرات ہیں۔" (۱۰)

"لاحاصل" عمیرہ احمد کا ایک فلسفیانہ ناول ہے جو انسان کی دنیاوی خواہشات، محرومیوں اور زندگی کی بے معنویت کو نہایت فنکارانہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ یہ کہانی ایک سے زیادہ کرداروں کے گرد گھومتی ہے جو اپنی اپنی خواہشات، خوابوں اور امنگوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں مگر آخر کار خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اور جب تک حقیقت کا علم ہوتا ہے تب تک سوائے پچھتاوے اور شرمندگی کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس کا ذکر وہ یوں کرتی ہیں:

"میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پاؤں میں لاحاصل آرزوؤں کے ایسے گرداب جکڑ لیے ہیں جو تاحیات میرے ہستی کو گردش میں رکھیں گے۔ خدیجہ نور سا اطمینان مجھے ہرگز میسر نہ ہوگا، خدیجہ جیسی کفایت میری زیست میں کبھی نہ اترے گی۔ آخر اتنی طمع، اتنی ہوس میرے باطن میں کیوں سرایت کر گئی کہ میں نے سکون کے لمحات کو طلب کی تپش سے راکھ کر ڈالا۔"(۱۱)

اس ناول کی مقبولیت کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کیونکہ اس میں اللہ سے محبت و رغبت کو مرکزیت حاصل ہے۔ نئے مذہب میں شامل ہونا اور پھر پورے دل سے اسے ماننا ایک بہت بڑا عمل ہے۔ بے شک اللہ اپنے

بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے، لیکن اس کی ثابت قدمی عشق حقیقی کا ثبوت بنتی ہے۔ انسان ساری زندگی امن و سکون کی تگ و دو میں لگا رہتا ہے لیکن سب لاحاصل رہتا ہے۔ لیکن اصل سکون اللہ کی اور اس کی تعلیمات کو ماننے میں ہی ہے۔ عشق حقیقی کی یہ جھلک ان کے قارئین میں مقبولیت کی باعث ہے۔

ناول "آب حیات" عمیرہ احمد کے ناول "پیر کامل" کا حصہ ثانی مانا جاتا ہے۔ یہ ناول ایک ایسے موضوع کا احاطہ کرتا ہے جو ہمارے معاشرے کی تباہ کاریوں میں سر فہرست ہے۔ اس کا مرکزی موضوع "سود" ہے اور اس کے کرداروں نے سودی نظام کا ایک بہترین خاکہ کھینچا ہے جو قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔

عمیرہ احمد پیش لفظ میں لکھتی ہیں کہ:

> "آب حیات کا "موضوع" سود" ہے... وہ فتنہ جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں حرام قرار دیتے ہوئے اس کی بیخ کنی کا حکم دیا لیکن ان واضح احکامات کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی زندگی کا بالواسطہ اور بلا واسطہ حصہ بنا ہوا ہے۔ سود میں استحصال ہے فلاح نہیں اور قرآن میں اس کی ممانعت انسانوں کی اپنی بھلائی کے لیے ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن کے باقی احکامات۔"(۱۲)

ناول کی قدر و اہمیت اس وقت عروج پر پہنچتی ہے جب امامہ اسے خطبہ کے وہ الفاظ سنانے لگتی ہے جو آخری خطبہ میں نبی کریم ﷺ نے سود کی حرمت کے متعلق ارشاد فرمائے تھے۔ اور وہ سالار کو جھنجھوڑتی ہے کہ وہ حافظ قرآن ہونے کے باوجود اللہ سبحان و تعالیٰ اور اس کی آخری کتاب کے احکامات کی خلاف ورزی کیسے کر سکتا ہے۔ پہلی بار ایسا ہوا کی سالار سکندر کے ضمیر نے اسے جگایا اور سودی نظام سے کنارہ کشی کا سوچا۔

عمیرہ احمد لکھتی ہیں کہ:

> "ایسی ندامت تو کبھی خانہ کعبہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اسے نہیں ہوئی تھی، جتنی اس وقت جبل رحمت پر اسے اس جگہ کھڑے ہو کر اسے ہوئی تھی، جہاں نبی کریم ﷺ نے سود کے بارے میں احکامات دیئے تھے۔ سالار کو چند لمحوں کے لیے لگا جیسے جبل رحمت پر پڑے ہر پتھر نے اس پر لعنت بھیجی تھی۔ پسینہ ماتھے پر نہیں پیروں کے تلوؤں تک آیا تھا۔ اسے لگا تھا وہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑا تھا اور بس وہ تھے جن کی نظروں میں اس کے لیے ملامت نہیں افسوس تھا۔ پھر وہ وہاں ٹھہر نہیں سکا، سر

جھکائے تیز قدموں سے امامہ کا انتظار کیے بغیر جبل رحمت سے اتر چلا گیا۔ وہ رحمت کا حق دار نہیں تھا تو جبل رحمت پر کیسے کھڑا ہو پاتا۔ اسے نیچے اتر کر محسوس ہوا تھا۔"(۱۳)

اسلام چونکہ منطقی اور فطری دین ہے۔ اس لیے ان کے ناول میں اسلامی نقطہ نظر سے حوالہ جات کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ جو قاری کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔

عمیرہ احمد کے ناول "من و سلویٰ" میں رزقِ حلال اور رزقِ حرام کے موضوع کو مرکزیت حاصل ہے۔ یہ ایک اسلامی تلمیحاتی نام ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آج کے اس مادیت پرست دور میں بھی انسان اپنے لیے دائمی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو خود مول لیتا ہے جو آج کے دور کی سب سے بڑی ستم ظریفی ہے۔ جو بے صبری اور ناشکری کا مظہر ہے۔

عمیرہ احمد خود پیش لفظ میں لکھتی ہیں کہ:

"من و سلویٰ" کا بنیادی موضوع رزق حلال ہے۔.....

مجھے من و سلویٰ کے بارے میں پڑھتے ہوئے احساس ہوا کہ بنی اسرائیل کے "من و سلویٰ" اور ہمارے "رزق حلال" میں بہت مماثلت ہے۔ وہ "پاکیزہ سادہ کھانا تھا"۔ یہ "پاکیزہ سادہ رزق" ہے۔ دونوں کا حصول بے حد آسان ہے مگر بنی اسرائیل کے لیے من و سلویٰ پر انحصار کرنا اور ہمارے لیے رزق حلال پر جینا مشکل ہے۔ وہ بنی اسرائیل کی سوچ تھی، یہ ہماری سوچ ہے۔ وہ من و سلویٰ سے ناخوش تھے اور اس کا "مذاق" اڑاتے تھے۔ ناشکری کرتے تھے۔ ہم کو رزق حلال "پسند" نہیں ہے اور ہم اس پر "اعتراض" کرتے ہیں۔ انہیں زمین سے اُگنے والا انواع و اقسام کا رزق چاہیے تھا۔ ہمیں شارٹ کٹ میں کم وقت میں بہت زیادہ پیسہ چاہیے۔"(۱۴)

حالات و حوادثات سے لڑ کر رزقِ حلال پر قناعت کرنا آسان کام نہیں۔ عمیرہ احمد نے جدید دور کے مادیت پرست ذہنوں کی بخوبی نقاب کشائی کی ہے جو قاری کی دلچسپی اور تجسّس کو بڑھاتی ہے۔ پورے ناول میں کرداروں کے ہجوم میں ایک اکیلے شخص کا رزقِ حلال پر ڈٹ جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں واقعی ایسے لوگوں کی تعداد مختصر رہی ہے جو گہری نیند سے بیدار ہو کر اپنے ضمیر کی آواز سن پاتے ہیں۔ عمیرہ احمد کی ہر تحریر قاری کے دل

میں گھر کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عوام میں بہت مقبول اور پسند کی جاتی ہیں۔ انھوں نے اپنے قلم سے معاشرے کو سدھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اردو ادب میں ادب عالیہ اور مقبول عام ادب کی تقسیم محض ادبی درجہ بندی نہیں بلکہ یہ دو مختلف فکری اور جمالیاتی رویوں کی عکاسی کرتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے اردو ناول کو فکری وسعت، تہذیبی شعور اور فنی عظمت عطا کی جبکہ عمیرہ احمد نے اردو ناول کو عوامی سطح پر مقبول و دلچسپ بنایا اور نئی نسل میں جدید دور کے پیش نظر مطالعے کا شوق پیدا کیا۔ دونوں ناول نگار اپنے اپنے ادبی دائرے میں منفرد مقام و اہمیت رکھتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا ادب گہرے تاریخی تناظر، نفسیاتی گہرائی اور تہذیبی تسلسل کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے ناول شاہکار اردو فکشن کو عالمی سطح کا وقار بخشتے ہیں۔ ان کا لہجہ سنجیدہ، زبان شستہ اور خیالات پیچیدہ ہیں جو قاری سے توجہ اور غور و فکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ تقسیم ہند، تہذیبی بحران اور انسانی وجود کے فلسفیانہ سوالات کو فنکارانہ انداز میں پیش کرتی ہیں۔ دوسری طرف عمیرہ احمد کا ناول نگاری کا انداز زیادہ جذباتی، کہانی پر مبنی اور قاری کے دل سے جڑنے والا ہے۔ ان کی توجہ معاصر مسائل، خاندانی تعلقات، روحانی جدوجہد اور نوجوان نسل کی نفسیاتی الجھنوں پر ہے۔ ان کی کہانیاں سادہ مگر دلچسپ، کردار زندہ اور مکالمے قدرتی ہیں جو قاری کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ قرۃ العین حیدر کا ادب سنجیدہ و فکری مطالعہ کا تقاضا کرتا ہے جبکہ عمیرہ احمد کا ادب جذباتی اور روحانی وابستگی پیدا کرتا ہے۔ اردو ادب کی وسعت اور تنوع انہی مختلف رجحانات کے امتزاج سے قائم ہے۔ ایک طرف اعلیٰ فکری اور فن پارے قائم رکھنے والا ادب تو دوسری طرف عوام کو ادب سے جوڑنے والا مقبول عام ادب۔ دونوں نے مل کر اردو ناول کو نئی جہتیں عطا کیں اور اسے زندہ و متحرک رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مولوی فیروز الدّین، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۵۳

۲۔ فاروق بخشی، ادب اور پاپولر لٹریچر: تفریق اور مماثلت، مشمولہ "اردو میں پاپولر لٹریچر "روایت اور اہمیت، مرتبہ ارتضیٰ کریم، شعبہ اردو، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ۵۷

۳۔ راشد انور، ادب اور پاپولر لٹریچر اور فنونِ لطیفہ، مشمولہ "اردو میں پاپولر لٹریچر "روایت اور اہمیت، مرتبہ ارتضیٰ کریم، شعبہ اردو، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ۶۱

۴۔ ڈاکٹر عتیق اللہ، پاپولر کلچر اور ادب، مشمولہ "اردو میں پاپولر لٹریچر "روایت اور اہمیت،

مرتبہ ارتضیٰ کریم، شعبہ اردو، دہلی، انڈیا، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳
۵۔ قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، یوسف پبلشرز، راولپنڈی، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷۱
۶-ڈاکٹر محمد حسن، جدید اردو ادب، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۵ء، ص ۵۳
۷۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۲
۸۔ قرۃ العین حیدر، چاندنی بیگم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۴
۹۔ عمیرہ احمد، امر بیل، عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۵ء
۱۰۔ عمیرہ احمد، لاحاصل، عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۸ء
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۵
۱۲۔ عمیرہ احمد، آبِ حیات، فیروز سنز پرائیویٹ لمٹیڈ، کراچی، ۲۰۱۷ء، ص ۷
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۵۸
۱۴۔ عمیرہ احمد، من و سلویٰ، علم و عرفان پبلیشرز، اردو بازار، لاہور، سن ندارد، ص ۵